نیرنگِ ادب کی تیسری پیشکش

حروفِ تابندہ

نثری مضامین کا مجموعہ



شاغل ادیبؔ ایم۔اے



نیرنگِ ادب پبلیکیشنز
۳/۹/۳۰۴ - ۴ - ۱، صدیق نگر
مشیرآباد۔ حیدرآباد - ۴۸

انتساب

میں اپنی اس تصنیف کو اپنی مرحوم چچی محترمہ شریف النساء (عرف ننھّی ماں) کے نام معنون کرتا ہوں جنھوں نے میری پرورش، میری تعلیم و تربیت پر اپنی اولاد سے بھی زیادہ توجہ فرمائی ۔

مصرع
بیٹے کی طرح پالا تھا منہ موڑ کر گئیں
اے ہائے ! ننھّی ماں مجھے اب چھوڑ کر گئیں

شاغل ادیب، ایم ۔ اے

طبعِ اوّل ۔ ۱۹۹۳ء ۔ ۱۴۱۴ھ
تعداد ۔ ایک ہزار
ترتیب ۔ اشفاق انجم
سرورق ۔ احمد عظیم
طباعت ۔ اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲
قیمت ۔ چھ روپے Rs. 6/-

(جملہ حقوق بہ حقِ مصنف محفوظ)

حرفِ اوّل

جناب یوسف ناظم
۱۹۔ الہلال' باندرہ ریکلیمیشن۔ بمبئی۔ ۵۰

حروفِ تابندہ

دیباچہ

مضامین' دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک نثری اور دوسرے نشری۔

شاغل ادیب کے اور بھی مشغلے ہوں گے لیکن نشری مضامین لکھنا اور سوچ سمجھ کر لکھنا ان کا سب سے زیادہ مرغوب مشغلہ ہے۔ نشری مضامین لکھنے میں عام طور پر لوگ غیر سنجیدہ ہو جاتے ہیں جانتے ہیں کہ نشری مضامین سن کر کوئی ممتحن بھی مضمون نگار کی غلطی نہیں پکڑ سکتا۔ کاغذ قلم سامنے رکھ کر آج تک کسی نے ریڈیو سنا ہے۔ لیکن شاغل ادیب نے اپنی کاوشوں کو نثری حالت میں پیش کرنے کا منصوبہ بنا کر یہ ظاہر کر دیا کہ نشری مضامین بھی اتنے ہی 'باوقار' ہوتے ہیں جتنے کہ علمی ادبی رسالوں میں شائع ہونے والے مضامین ہو سکتے ہیں۔

حروفِ تابندہ' سونے کے نہ ہونے کے باوجود چغلی کھاتے ہیں کہ یہ کسی معدنِ زر سے برآمد شدہ خام مال کے تراشیدہ حروف ہیں۔ ہر بات سونا' ہر نکتہ نگینہ۔ جتنے عبرت آموز' خیال انگیز اور غور و فکر سے مملو یہ مضامین ہیں انہیں دیکھتے ہوئے بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ ان مضامین کے مجموعے کے بارے میں جو کچھ بھی لکھنا لکھانا ہو دیباچہ' مقدمہ' تقریظ' تبصرہ' وغیرہ وہ صرف شریف آدمی سے لکھوانا چاہیئے۔ شاغل ادیب نے اس کام کے انجام دینے کے لئے میرا انتخاب کیا۔ میں اسے اپنا انتخاب بینی انجام سمجھتا ہوں۔ میرے اس بیان میں کسی انکسار کو دخل نہیں ہے اس لئے کہ میں انکسار کو خود ستائی کا ایک مہذب انداز سمجھتا ہوں اس لئے خود ساختہ ادیب و شاعر آگے بڑھ بڑھ کر انکساری فرماتے رہتے ہیں۔ مجھے تو لفظ "خاموشی" پسند ہے' شاغل ادیب نے خاموشی کے عنوان پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس کتاب کی جان ہے (ویسے اس کتاب کی کئی جانیں ہیں) "خاموشی انسان کا وقار ہے" اُن ہی کا جملہ ہے جو مجھے میرا جملہ معلوم ہوتا ہے "خاموشی" کے بارے میں ہمارے دوست بھرتری ہری نے کیا خوب کہا ہے۔

" خموشی نام کی دولت خدا نے ہم کو بخشی ہے
یہ پردہ ہے جہالت کا
سمجھداروں خردمندوں کی محفل میں اگر چپ چاپ ہم بیٹھیں
تو ان پر بھی بھرم اپنا رہے قائم
خموشی ایک زیور ہے'۔ یہ لاقیمت ہے اس کی قدر پہچانو"

شاغل ادیب نے ایسی قسم کے "درِ نایاب" جمع کرکے انہیں "حروفِ تابندہ" کا لباس پہنایا ہے اور حیدرآباد میں شاید یہ پہلا موقع ہے کہ 'لباس میں جھول نہیں ہے۔

ان نثری مضامین کی تخلیق اور ان کی پرورش و پرداخت کے معاملے میں شاغل ادیب نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ "عملدرآمد" کیا ہے (میں نے ازراہِ تجسس 'شاغل' کے معنی لغت میں دیکھے تو معلوم ہوا کہ اس لفظ کے معنی وہی ہیں جو میرے ذہن میں تھے۔ شاغل ادیب نے خود کو اچھے شغلے میں مصروف رکھا۔ میں اگر کبھی اُن سے ملا تو اپنی مسرت کے اظہار کے لئے ان سے 'معانقے' کی درخواست کروں گا۔ بولوں گا کچھ نہیں۔ اور اتفاق دیکھئے کہ وہ خود جانتے ہیں کہ یہ نثری مضامین ہر لحاظ سے اس قابل ہیں کہ انہیں "ہوا کی باتیں" نہیں سمجھا جاسکتا۔ ہوا کے کاندھوں پر سوار ہوکر دور دور تک سفر کرنے والے یہ مضامین اب "سیاہ و سفید" لباس میں آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ ممکن ہے اُس وقت جب یہ مضامین "رفتہ رفتہ" نشر ہوئے تو لوگوں نے سنی ان سنی کردی ہوگی اب یہ مضامین قاری کو اپنی گرفت میں لے لیں گے اور اپنا قرض وصول کرکے رہیں گے۔

آخر میں ایک بات اور عرض کروں وہ یہ کہ اگر شاغل ادیب میرے بجائے کسی 'موزوں شخص' سے دیباچے کی فرمائش کرتے تو وہ شخص واقعی دیباچہ لکھتا۔ میری تحریر پڑھ کر تو لوگ یہی کہیں گے کہ انہوں نے تو صرف 'چہ' لکھا ہے دیباچہ تو نہیں لکھا۔ مجھے ان کی یہ تشخیص پسند آئے گی۔ کوئی مجھ سے پوچھے "چہ نوشتی" اور میں پہلے تو خاموش ہوجاؤں اور پھر سوچ کر بولوں 'نوشتی؟' کا سوال ہی کہاں ہے۔ نوشتۂ دیوار پڑھنے کی کوشش کریں جو ان مضامین میں جگہ جگہ موجود ہے۔

۸ ستمبر ۹۳ — یوسف ناظم



قوم

قوم جسے عام لوگ مذہب سمجھتے ہیں مختلف مذہبوں، فرقوں اور طبقوں کا مجموعہ ہے۔ قوم کی بقا، ارتقا اور استحکام کیلئے مذہبوں، فرقوں اور طبقوں کی یکجہتی نہایت ضروری ہے۔

مہاتما گاندھی نے کہا تھا "قومیت کے اعتبار سے ہم اوّل وآخر ہندوستانی ہیں۔ مگر ان دنوں ہم اوّل و آخر ہندو اور مسلمان ہیں اور ہندوستانی قطعی نہیں۔ اور اسی لئے ان دنوں فسادات اور غارت گری کا غلبہ ہے"۔

تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھئے۔ جن سلاطین و اقوام میں انسانی مساوات، مذہب، رواداری فرقہ وارانہ یکجہتی اور طبقاتی بھائی چارگی تھی ان سلاطین و اقوام کی قومیت قابل رشک ہے۔ لیکن ہمارے یہاں انسانی غارت گری، مذہبی دشمنی، فرقہ پرستی اور طبقاتی علیحدگی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم مولانا ابوالکلام آزاد کے قول کے مطابق ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی کے خانوں میں بٹ کر ہندوستان کو ایک قوم، ایک نیشن بنانے سے قاصر ہیں۔

قومی اتحاد و اشتراک کے بنا کسی بھی قوم کے وجود کا تصوّر ناممکن ہے۔ مگر ہم ہندوستانیوں میں عدم اتحاد اور ناآشتی عام ہیں ورنہ کیا بات ہے کہ بقول ظ۔ انصاری "ہم سیاسی اور جغرافیائی اعتبار سے سارے ہندوستان کو ایک قوم کے رشتے میں پرو نہیں سکتے"۔

ہندوستانی قومیت کا سب سے عظیم ورثہ، سب سے بہترین سرمایہ اس کا احساسِ قومیت ہے مگر چند تخریب پسند طاقتیں اس کو تباہ و برباد کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ ہمیں ان قوموں کا سر کچلنا چاہیئے اور سر سید احمد خاں کی آواز میں آواز ملا کر یہ کہنا چاہیئے "ہندو اور مسلمان مذہبی الفاظ ہیں ورنہ ہندو ہوں کہ مسلمان، سکھ ہوں کہ عیسائی جو بھی ہندوستان میں رہتے بستے ہیں سب ایک قوم ہیں"۔

٥٥

قومی یکجہتی

سماج افراد کے مل جل کر رہنے کو کہتے ہیں۔ قومی یکجہتی اقوام و ممالک کی اہم ضرورت ہے۔ جن اقوام و ممالک میں قومی یکجہتی نہیں ہوتی وہ اقوام و ممالک نہ صرف قومی و ملکی ترقی سے محروم ہوتے ہیں بلکہ طبقوں اور فرقوں کے خانوں میں بٹ کر تباہ ہو جاتے ہیں۔

پنڈت جواہر لعل نہرو نے کہا تھا " میں سیاسی جھگڑوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا اور فرقہ وارانہ جنون کو بہت مکروہ سمجھتا ہوں "۔

قومی یکجہتی تہذیب کے نشو و نما، اس کے ارتقا اور اس کی بقا کے لئے نہایت ضروری ہے۔ قومی یکجہتی، قوموں کے اشتراک، نسلوں کے اتحاد، فرقوں کی مساوات اور علاقوں کی ہم آہنگی میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

گاندھی جی نے فرمایا تھا " میں ہندو ہوں تم مسلمان ہو یا میں گجراتی ہوں تم مدراسی ہو ہمیں اس طرح کی تنگ نظری کو یکسر بھلا دینا چاہیئے۔ ہمیں مشترک بھارتی تہذیب و قومیت میں " من و تو " کے احساس کو بالکل ختم کر دینا چاہیئے۔ فرقہ وارانہ منافرت قومی یکجہتی کے جسم پر ایک بدنما کوڑھ کی مانند ہے۔

قومی یکجہتی قومی شعور کی بیداری اور قومیت کے استحکام کا بہترین وسیلہ ہے۔ قومی یکجہتی، قومی انتشار اور سیاسی بدنظمی کو یکسر ختم کرتی ہے۔

گاندھی جی نے ایک اور جگہ کہا تھا کہ میری رائے میں سیاسی زندگی کو انسان کی نجی زندگی کی صدائے بازگشت ہونا چاہیئے۔ اس طرح دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ سکتا "۔

قومی یکجہتی مختلف مذاہب، طبقات اور فرقوں کے اتحاد، امن، پیار اور دوستی کا پیغام دیتی ہے۔ بقولِ شخصے اگر ہمیں ترقی کرنی ہے تو ہمیں تاریخ کو دہرانا نہیں چاہیئے بلکہ قومی اتحاد اور میل ملاپ کی ایک نئی تاریخ کو جنم دینا چاہیئے۔

○○

بھائی چارگی

بھائی چارگی اور انسان دوستی، تہذیب و قوم کی اہم ضرورت ہیں۔ جن اقوام و افراد میں یہ عناصر نہیں ہوتے وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب، صوفی سنت، پیر و مرشد عوام کو بھائی چارگی اور انسان دوستی کا سبق دیتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ اگر صحیح مومن بننا چاہتے ہو تو اپنے پڑوسیوں سے محبت کرو۔ مسلمان وہی ہے جو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جس کی توقع وہ خود بھی ان سے رکھتا ہے۔

نفرت، غصہ، بغض و عناد، تہذیب و معاشرے کے جسم پر کوڑھ کی مانند ہیں۔ شہرۂ آفاق مفکر سقراط کہتا ہے کہ کسی شخص کو نقصان پہنچانا اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کے برابر ہے۔ بقولِ بو علی سینا جو شخص انتقام کے طریقے سوچتا ہے اس کے زخم ہمیشہ ہرے رہتے ہیں۔ کنفیوشس کا قول ہے "غصہ ایسی آندھی ہے جو دماغ کا چراغ بجھا دیتی ہے"۔ ایک اور مفکر کا قول ہے کہ جو لوگ آپس میں حسد کرتے ہیں ان پر کبھی بھلائی سایہ فگن نہیں ہوتی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بھی کہا ہے "گھڑی بھر کا غصہ، لمحہ بھر کا ظلم، دونوں ساٹھ سالوں کے گناہوں سے بدتر ہیں"۔

بھائی چارگی اور انسان دوستی تہذیب اور انسانیت کے انمول جوہر ہیں۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں "اگر پرند متحد ہو جائیں تو وہ شیر کی کھال ادھیڑ سکتے ہیں"۔

تاہم ہمیں نفرت، غصہ اور بغض و عناد سے احتراز کرنا چاہیئے۔ ہمیں مذاہب اور عقائد کے اختلافات کو ختم کر کے بھائی چارگی اور انسان دوستی کو گلے لگانا چاہیئے اور یہی انسانیت کی سب سے بڑی عظمت ہے۔

منزل رسی

کس نہ داند کہ منزلِ گہِ مقصود کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرس می آید

منزل رسی نام ہے عزم کی بلندی کا، ارادوں کی عظمت کا اور انسانیت و آدمیت کی عالی ہمتی کا۔ جو انسان بلند عزم و ہمت اور ارادۂ مستحکم سے کام لیتے ہیں۔ زندگی کی منزل یقینی طور پر ان کے قدم چوم لیتی ہے۔

زندگی کو عام طور پر درد و غم، رنج و محن، جور و ستم اور گریہ و بکا کا مجموعہ گردانا جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ زندگی دراصل خوشی اور نشاط کا گہوارہ ہے۔ مجسم مسرت ہے۔ سر بسر سکون ہے۔ مخدوم محی الدین نے کہا تھا۔ "زندگی موتیوں کی ڈھلکتی لڑی ہے۔ رنگِ گل کا بیاں ہے" بشرطیکہ آدمی اسے اس طرح گزارے۔

آدمی کو زندگی کی تمام تر تکالیف و مشکلات کا خندہ پیشانی سے سامنا کرتے ہوئے اس کی خوشگوار منزل کی جانب بڑھنا چاہیئے۔ جو افراد زندگی کی راہوں کا سامنا کرتے ہیں اپنے آپ کو ناکام سمجھ کر بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں ان کے بارے میں DIVINE COMEDY یعنی طربیۂ خداوندی کا خالق ڈانٹے کہتا ہے "یہ بدنصیب کبھی زندہ رہے ہی نہیں۔ یہ بالکل ننگے ہوتے ہیں اور بھڑیں ان کو کاٹتی ہیں۔ اتنا کاٹتی ہیں کہ ان کے چہرے سے خون ابلنے لگتا ہے۔ یہ خون ان کے آنسوؤں سے جا ملتا ہے اور وہ مکروہ کیڑے اسے اپنے قدموں پر اکٹھا کر لیتے ہیں۔"

منزل رسی اور بزدلی کے سلسلے میں عالمگیر شہرت کے اردو رسالے "شمع" کے مدیر اعلیٰ جناب یوسف دہلوی مرحوم نے ایک جگہ لکھا ہے "حالات کے ناسازگار ہونے کا شکوہ کرتے رہنے سے کچھ حاصل نہیں۔ شبنم کے رونے سے سورج کا نکلنا موقوف نہیں ہوتا۔ آدمی کو شکایتیں کرنے کی بجائے انہیں کوتاہیوں کو

کو دور کر کے نئے جوش و خروش کے ساتھ

منزل کی جانب بڑھنا چاہیے"

دکھ، درد، جور و ستم اور مصیبتیں ہر فرد کے ساتھ ازل سے ہیں۔ اور تا ابد رہیں گی۔ لیکن آدمی کو ہمت نہیں ہارنا چاہیئے۔ اسے اپنے ذہن و دماغ میں

نئے سورج کو

روشن رکھتے ہوئے

مضبوط و مستحکم

ارادہ

کے ساتھ

آگے بڑھتے

رہنا چاہیئے

زندگی کی ساری خوشیاں، ساری مسرتیں
اس کے آنگن میں رقص کر اٹھیں۔



عزم منزل رسی کی بات کریں
دوستو! زندگی کی بات کریں

مستقل مزاجی

مستقل مزاجی نام ہے ہمت کی بلندی کا، ارادوں کی عظمت کا اور انسانیت و آدمیت کی عالی ہمتی کا۔ جو انسان بلند عزم و ہمت اور ارادۂ مستحکم سے کام لیتے ہیں، زندگی کی منزل یقیناً ان کے قدم چوم لیتی ہے۔ دنیا کی ہر کامیابی اُن کے گلے کا ہار بن جاتی ہے۔
انسانی زندگی کو عام طور پر درد و غم، رنج و محن، جور و ستم اور آہ و بکا کا مجموعہ گردانا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت ایسی نہیں ہے۔ انسان کو اپنے درد و غم اور اپنی مشکلات کا مستقل مزاجی سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔ انسانی نفسیات کے عظیم مفکر سویٹ مارڈن کہتے ہیں "مشکلات اور الجھنوں پر فتح پانے والا ارتقا کی جانب رواں دواں رہتا ہے"۔
انسانی زندگی نہ ہی درد و غم کا مجموعہ ہے اور نہ ہی آہ و بکا کا ڈھیر۔ زندگی دراصل خوشی اور نشاط کا گہوارہ ہے۔ مجسم مسرت ہے۔ سر لبریز سکون ہے بشرطیکہ آدمی کو زندگی گذارنے کا ڈھنگ آئے۔ مخدوم محی الدین کسقدر لہک لہک کر گایا کرتے تھے۔

زندگی موتیوں کی ڈھلکتی لڑی
زندگی رنگِ گل کا بیاں دوستو

انسان کو اپنی زندگی میں کئی بار ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن اسے ناکامیوں سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ انسان کو اس کی ناکامیاں دراصل کامیابی کا راستہ دکھاتی ہیں انسان کو اپنی ناکامی پر قطعی مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔
انسان کو اپنی بے حالی پر کبھی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اسے حالات کے تیروں کے آگے خندہ پیشانی سے سینہ سپر ہونا چاہیئے۔ رسول کریمؐ کا ارشاد ہے "دنیا کی خصلتوں میں دو خصلتیں سب سے زیادہ بری ہیں ① بخالت اور ② بزدلی

انسان اپنی مستقل مزاجی سے عزمِ مستحکم اور دمِ محکم کی دولت پاتا ہے۔ اگر وہ حالات سے خوف کھانے لگے تو اس کی زندگی موت بن جاتی ہے بشہرۂ آفاق تصنیف "طربیۂ خداوندی" کا خالق ڈانٹے لکھتا ہے "خوف اکثر انسانوں کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے اور عزت کی مہمات سے اس کا منہ موڑتا ہے۔ خوف انسانی زندگی کو ہلاک کر دیتا ہے اور انسان کے لئے کامیابی کے دروازے بند کر دیتا ہے۔"

مستقل مزاجی کے کمزور انسان کبھی بلندی پر نہیں پہنچ سکتے۔ بلندی پر وہی پہنچتے ہیں جو ناکامی کا مستقل مزاجی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ ناکامی کو کامیابی میں بدلنے، بدحالی کو خوشحالی کا روپ دینے، درد و غم کے بدصورت چہرے پر خوشی اور نشاط کا غازہ ملنے کے لئے انسان کو مستقل مزاجی اور بلند حوصلگی سے کام لینا چاہیئے۔ عزم و حوصلہ سے انسان کی ہر مشکل دور ہو جاتی ہے۔

قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے "بلاشبہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ اور ہر تکلیف کے ساتھ راحت۔ مشکل حیات کی مستقل و دائمی ساتھی ہرگز نہیں"۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

"اگر تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو تم مسکرایا
کرو۔ ہو سکتا ہے تمہاری بدقسمتی تم پر ترس کھا کر
خود ہی بھاگ جائے۔"

○○

نام ہے وفا شاغل مستقل مزاجی کا
وقت کے غلاموں کو آدمی نہیں کہتے

ہم سائیگی

معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے کا نام ہے۔ ایک صالح اور پُرامن معاشرے میں ہر فرد اپنے سائے کا خیالِ خاص رکھتا ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب، صوفی اور سنت ہر فرد کو اپنے ہم سائے کی عزت و احترام کا سبق دیتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ تم اگر صحیح مومن بننا چاہتے ہو تو اپنے پڑوسیوں سے محبت کرو۔ محبت سے متعلق خلیل جبران کہتا ہے "محبت دل کے صحرا میں ایک سرسبز و شاداب خطۂ زمین ہے جہاں تنفر کے قافلے پہنچ نہیں سکتے۔"

رسولِ کریمؐ نے اپنی احادیث میں ہمیشہ اپنے ہم سایوں کے ساتھ اچھے سلوک اور برتاؤ کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اپنے ہم سایوں سے بغض و حسد ایک بدترین گناہ ہے۔

دنیا کی شاہکار تصنیف "طربیۂ خداوندی" کا خالق ڈانٹے لکھتا ہے "ان لوگوں کی زندگی کمینی اور اندھی ہوتی ہے جو اپنے ہم سایوں سے حسد کرتے ہیں۔ دنیا اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ان میں کچھ باقی رہے۔"

بعض افراد اپنے پڑوسیوں کی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ ان کی عیب جوئی میں مصروف رہتے ہیں۔ بھگوت گیتا میں تحریر ہے... "اگر کوئی گنہ گار ہم سایہ خلوص، عجز و نیاز کے ساتھ بھگوان کی جانب لوٹتا ہے تو اسے پرہیزگار اور ولی سمجھو۔"

گناہ کے تعلق سے ایک جگہ گرونانک نے بھی کہا ہے....

"اگر کوئی گناہ کا مرتکب ہو تو اسے آدمی سمجھو۔ جو گناہ کر کے نادم و پشیماں ہو اسے ولی سمجھو اور جو گنہ کر کے اترائے اسے شیطان سمجھو۔"

اپنے ہم سائے سے تکبّر اور گھمنڈ کبھی نہیں کرنا چاہیئے۔ جو لوگ اپنے آپ کو اپنے ہم سائے سے برتر سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو وقت کا بادشاہ گردانتے ہیں بعد از مرگ خنزیروں کی طرح دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔ جناب عبدالماجد دریابادی کہتے ہیں "خود بینی اور خود نمائی انسانی نفسیات کے اہم عناصر ضرور ہیں لیکن انسان اس کے چنگل میں پھنس کر نیک نامی کی بجائے بدنامی حاصل کرتا ہے۔

اپنے پڑوسیوں پر ظلم و تشدّد بھی ناروا اور بے جا ہیں۔ کسی نے بتایا ہے کہ تشدّد تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا وہ جو خدا پر کیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ جو اپنے آپ پر کیا جاتا ہے اور تیسرے قسم کا تشدّد اپنے ہم سایوں، ان کی ذات اور ملکیت پر کیا جاتا ہے۔ بقولِ شخصے تیسرے قسم کے تشدّد میں ہم سایوں کا زبردستی قتل اور ان پر ملاوجہ ایذا رسانی شامل ہیں۔ ظلم و تشدد سے پرہیز کرنا اپنے آپ کو تاریکی سے محفوظ رکھتا ہے۔

تاہم پُرخلوص ہم سائیگی تہذیب و انسانیت کا انمول جوہر ہے۔ ہر فرد کو اپنے پڑوسی سے خلوص و محبت سے پیش آنا چاہیئے۔ اس سے نہ ہی بغض و حسد برتنا چاہیئے اور نہ ہی ظلم و تشدّد کا برتاؤ رکھنا چاہیئے۔ اگر ہر فرد اپنے پڑوسیوں کا ایسا ہی خیال رکھے تو ہمارا معاشرہ ایک جنت سے کم نہیں ہوگا۔



ہم سائے کو اپنے کبھی سونے نہ دو بھوکا
ہر شب مجھے آتا ہے یہ ارشادِ نبیؐ یاد

بغض وعناد

بغض وعناد، نفرت اور دشمنی کسی ذی شعور انسان کا شیوہ نہیں ہے۔ ان عناصر خبیثہ سے عام خاندان ہی نہیں بلکہ شاہی حکومتیں بھی تباہ ہوجاتی ہیں۔

سماج انسانوں کے مل جل کر رہنے کا نام ہے۔ صالح سماج میں کوئی فرد کسی دوسرے کی تہذیب، تعلیمی، معاشی، مذہبی اور معاشرتی ارتقاء میں مداخلت نہیں کرتا۔

اخلاص ومساوات کی تعلیم تو ہر مذہب کی کتاب میں ملتی ہے۔ تمام رہنمایانِ قوم، مصلحانِ وطن اور شعراء وادباء نے بھی اس امر کا درس دیا ہے۔

ڈانٹے اپنی معرکتہ الآرا تصنیف "طریقہ خداوندی" میں رقم طراز ہے "کینہ وبغض کو عالمِ بالا سے سخت نفرت ہے۔ کیوں کہ اس کا انجام ایذارسانی ہے۔ اور یہ نتیجہ خواہ طاقت سے حاصل ہو یا حیلے سے دوسروں کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ لیکن چونکہ حیلہ سازی ایک ایسا عیب ہے جو محض انسانوں کے لئے مخصوص ہے اسی لئے خدا ان سے ناراض ہوتا ہے"۔

قرآنِ حکیم میں ایک جگہ ارشاد ہے" اقبال مند بننے کے لئے بدی کا جواب نیکی سے دو تاکہ دشمن بھی دوست بن جائیں۔" حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مطابق جس قوم میں قاطعِ خلوص و رحم موجود ہو اس پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔

لہٰذا انسانوں کو بغض وعناد، نفرت اور دشمنی سے احتراز کرنا چاہیئے۔ مایہ ناز جرمن فلاسفر شوپنہار نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آدمی دراصل پیدا ہوتے ہی مرجاتا ہے... تو پھر اس بغض وعناد، نفرت و دشمنی اور فساد وتباہی سے کیا حاصل۔؟

○ ○

دوستی

دوستی انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے ۔ دوستی کے بغیر انسانی زندگی ایک شجرِ بے ثمر کی طرح ہوتی ہے ۔ بے لطف و ناکام ہوتی ہے ۔ انسانی زندگی کی اہم ضروریات دولت، صحت اور ذہانت تو ورثے میں ملتی ہیں لیکن دوستی کی ملکیت قطعی موروثی نہیں ہوتی ۔ دوستی انسانی تجربات اور مشق کی دین ہے جو ایثار، صبر، درگذر اور خطا پوشی کے بعد ملتی ہے ۔

ایثار میں انسان اپنی ضرورت کو دوسروں کی ضرورت پر قربان کر دیتا ہے ۔ چاہے اُس میں اسے نقصان ہی کیوں نہ ہو ۔ انگریزی کا مشہور ترین مقولہ ہے،

"A FRIEND IN NEED IS FRIEND IN DEED"

صبر کے تعلق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ صبر کوئی زحمت نہیں ہے کسی تکلیف پر صرف رونے دھونے اور شکوہ شکایتِ بے جا کچھ فائدہ نہیں ۔

دوستی میں درگزر اور خطا پوشی کا عنصر انسان کی اعلیٰ ظرفی کا آئینہ ہے ۔ حضرت محبوب الٰہیؒ سے ایک آدمی نے کہا کہ کچھ لوگ آپؒ کو گالیاں دے رہے ہیں ۔ اس پر حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے کہا " میں انہیں معاف کرتا ہوں ۔ انسان کو کسی کی بدسلوکی اور خطا کو معاف کرنا چاہیئے ۔ اس سے انتقام کا خیال بعید از خیال ہے ۔ بعید از شرافت ہے" بوعلی سینا کا قول ہے کہ جو شخص انتقام کی سوچتا ہے اس کے زخم ہمیشہ ہرے رہتے ہیں ۔ اس سلسلے میں مہابھارت میں بھی رقم ہے کہ جس نے تم پر ایک بار احسان کیا ہو ۔ کبھی اُس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچے تو اس احسان کے بدلے میں تم اسے معاف کر دو ۔

دوست، انسان کے کردار و اخلاق اور اس کی قابلیت اور شخصیت کی پہچان ہوتے ہیں ۔

انسان جس قسم کے دوست رکھتا ہے وہ اسی قسم کے کردار و اخلاق رکھتا ہے۔ شری برج لعل جی اپنی تصنیف "اخلاقی مضامین" میں لکھتے ہیں "ہر انسان پر صحبت کا اثرِ خاص ہوتا ہے۔ اگر وہ نیکوں کی صحبت میں رہے تو نیک اور بروں کی صحبت اختیار کرے تو برا ہوگا۔" خوش اخلاق افراد کی صحبت یا دوستی انسان کو نیک بناتی ہے۔ ایسے معاشرے میں عزت و شہرت دلاتی ہے۔ رسولِ کریمؐ کا ارشاد ہے کہ برے دوستوں سے بچو کیونکہ یہ تمہارا تعارف بن جاتے ہیں۔ حضرت غوث پاکؒ نے بھی فرمایا ہے کہ احمق کی صحبت سے بچا کرو ورنہ وہ اپنے برے فعل کو تمہاری نظر میں پسندیدہ بنا دے گا۔ اور تم بھی اسی کی طرح احمق کہلاؤ گے۔

دوستی کی بنیاد دو افراد کی اخلاقی و ذہنی یکسانیت ہے۔ دوستی شریف و نیک جذبات کا تعلقِ حسین ہے۔ بقولِ شخصے شرافت اعلیٰ اخلاق کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ انسان اپنی خوش اخلاقی سے انسانوں کو ہی نہیں بلکہ درندوں کو بھی مانوس کر لیتا ہے۔

دوستی میں اعتماد انسانی زندگی کو پُرسکون بناتا ہے۔ لیکن دوستوں سے اپنی ساری امیدوں کی وابستگی اور ان کی تکمیل کی توقع غلط ہے۔ اس سے دوستی کی راہوں میں نفرت کی دیوار کھڑی ہو جاتی ہے۔ جارج ایلیٹ نے ایک جگہ کہا ہے کہ ناامیدی کے بھنور میں ڈوب کر آدمی نفرت کی ریت میں پھنس جاتا ہے۔

دوستی زندگی کی روحانی غذا ہے۔ ترقی و کامیابی کا الہامی زینہ ہے۔ دوستی انسانیت و تہذیب کا جوہرِ گراں مایہ ہے۔ اسی لئے حضرت امام شافعیؒ نے اس کی اہمیت یوں جتائی ہے "ہزاروں دوستوں کی دوستی کو بیچ کر ایک دشمن کی دشمنی نہ خرید"



دوستی گلستاں ہے اک شریف جذبے کا
دل میں کانٹے بونے کو دوستی نہیں کہتے

خاموشی

"چپ رہنا سونا ہے تو بات کرنا چاندی ہے" یہ ایک عوامی کہاوت ہے جو میں نے بچپن میں سنی تھی۔ لیکن اس سے منسوب پرندے اور شہزادے کی کہانی آج تک بھی میرے دل و دماغ پر منقش ہے۔ اے کاش! چکور چک چک نہ کرتا اور خاموش پرواز کرتا تو شہزادے کے ظالم تیر کا نشانہ نہ بنتا اور اپنی قیمتی زندگی سے ہاتھ نہ دھوتا۔

خاموشی انسان کا وقار ہے۔ انگریزی کا شہرۂ آفاق ادیب چارلس ڈکنس کہتا ہے "جو شخص خاموشی کو گفتگو پر ترجیح دیتا ہے وہ نہایت ہی عظیم ہوتا ہے"۔

خاموشی عقلمندی کا دوسرا نام ہے۔ بھگوت گیتا میں تحریر ہے کہ آدمی کو کوئی بھی بات سوچ سمجھ کر کرنی چاہیئے۔ ورنہ سنسار اس پر ہنستا ہے۔ چند لوگ عادت سے مجبور ہوتے ہیں اور دکھاوے اور نمائش کے لئے بے سر و پیر کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ پرکیاں ان کا طرۂ امتیاز ہوتی ہیں۔ لیکن ان کی ان حرکات سے سچائی اور حقیقت کا خون ہوتا ہے کسی انگریز مفکر نے سچ کہا ہے کہ بونا بونا ہی ہوتا ہے گو وہ لاکھ اونچائیوں پر ہی کیوں نہ ہو۔ اور مینار مینار ہی ہوتا ہے گو لاکھ گھاٹیوں میں چھپا ہو۔

بعض اشخاص بسیار گوئی کو عادت بنا لیتے ہیں۔ مگر ان کی یہ عادت ان کی اپنی بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ بیکن کہتا ہے "انسان کو کوئی عادت سوچ سمجھ کر اپنانی چاہیئے ورنہ وہ جان لیوا بھی ثابت ہو سکتی ہے"۔ انسانی عاداتِ غیر ضروریہ سے متعلق ہزلیٹ نے بھی کہا ہے "عادت کا ناگ انسان کے دل کو چاروں طرف سے کنڈلی میں پھانس کر اسے پھنکاریں مارتا ہے"۔ لوگ اپنی بسیار گوئی کی عادت کے ذمہ دار خود ہی ہوتے ہیں۔ انہیں اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔

آج کل نئی نسل کو شب بیداری فضول اور راتوں میں فلموں پر تبصرے کا مرض ایڈس کی طرح لاگو ہے۔ دن رات آوارہ گردی کرنا، فلمیں دیکھنا اور ان پر گپ شپ لڑانا، محنت مزدوری سے جی چرانا اور تعلیم و تربیت سے دور بھاگنا ان کا روز مرہ ہے۔ یہ تمام چیزیں نئی نسل کی کاہلی اور غیر ذمہ دارانہ جذبے کا نتیجہ ہیں۔ کاہل انسان کا معاشرے میں کوئی مقام نہیں ہوتا۔ انہیں نہ ہی کوئی سکون ملتا ہے اور نہ ہی کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ بقول شخصے "آدمی کو کامیابی حاصل کرنے کے لئے دل و دماغ اور جسم سے کام لینا چاہیئے۔" نئی نسل کو خاموش پانی کی طرح گہرا ہونا چاہیئے نہ کہ خالی گھڑے کی طرح ہمیشہ آواز دیتے رہنا چاہیئے۔

باتیں کرنے میں صنفِ نازک میں عام طور پر دادی امائیں، نانی امائیں ایک مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن آج کل اڈھیڑ عمر کی بعض گھریلو عورتیں کبھی نہ جانے صبح سویرے بستر میں لیٹے لیٹے ہی پُر زور و بلند آواز میں بغیر کلمہ طیبہ پڑھے وعظ و بیان شروع کر دیتی ہیں۔ جوان بچیوں کو بُرا بھلا کہنا، جوان بچوں کو گالی گلوچ کرنا، شوہر کی دل آزاری نہ جانے اور کیا کیا۔ شائد اس عادت خبیثہ کو جوان کم ان پڑھ ہونے اور کم عقلمندی کا ثبوت دیتی ہے۔ یہ عورتیں اپنا وقار، اپنی عظمت اور اپنا بڑا پن سمجھتی ہیں۔ اور اس خوش فہمی میں رہتی ہیں کہ وہ اس طرح سارے گھر کو کنٹرول میں کر رہی ہیں لیکن یہ کنٹرول گھر کی سلامتی اور سکون کو ڈی کنٹرول کر دیتا ہے۔ اس صبح سویرے کے وعظ و بیان بے جا سے لڑکیاں دن تمام کڑھتی ہیں۔ بچے گھر سے باہر آوارہ گردی پر مجبور ہو جاتے ہیں اور شوہر ذہنی الجھاؤ کی وجہ سے اپنے کاروبار کی ادائیگی سے قاصر رہتا ہے۔

تاہم خاموشی انسانی زندگی کے لئے ایک پیام سلامتی ہے۔ خاموشی انسان کا وقار ہے خاموشی عقلمندی کا دوسرا نام ہے۔ بسیار گوئی فضول میعادِ حیات کم کرتی ہے۔ خاموشی موتی بکھیرنے والی گفتگو سے ہزار گنا بہتر ہوتی ہے۔ انسان کی خاموشی بجائے خود شنیدنی ہوتی ہے۔ اسے توڑ کر نفسیاتی اصولوں کا خون نہیں کرنا چاہیئے۔ خاموشی و کم سخنی الہامی جواہر ہیں جو سب کو نصیب نہیں ہوتے۔

○ ○

گفتگو

گفتگو سے انسان کے جذبات وخیالات ہی کا نہیں بلکہ اس کی ذہنی اور اخلاقی کیفیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ گفتگو ایک ایسا پیمانہ ہے جس سے انسان کی شخصیت و قابلیت ناپی جاتی ہے۔ گفتگو ایک آرٹ ہے جس سے انسان اپنے قد کو اونچا کرتا ہے۔ اور دیگر شعبہ حیاتِ معاشرہ میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔

گفتگو اور زبان کا رشتہ ازلی و ابدی ہے۔ زبان سے متعلق مولانا حالی لکھتے ہیں"۔

"اے مری بلبلِ ہزار داستان، اے مری طوطئ شیوہ بیان، اے مری قاصد، اے مری ترجمان، اے مری وکیل، اے مری زبان تیرے پھول کا رنگ نیا ہے۔ تیرے پھل کا مزہ انوکھا ہے۔ کبھی تو ساحر فسوں ساز ہے تو کبھی افعیٔ جاں گداز، اے مری وکیل، اے مری زبان دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنانا تیرا ادنیٰ کھیل ہے" انسان کو اپنی زبان پر قابو رکھنا چاہیئے۔ انسان کو گفتگو کرنے سے پہلے سوچنا چاہیئے اور اس کے نتائج کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ورنہ زبان سے نکلی ہوئی چھوٹی سی بات بھی ایک انگریز مفکر کے قول کے مطابق بڑی بڑی حکومتوں کو تباہ کردیتی ہے۔ جو انسان اپنی گفتگو میں احتیاط نہیں برتتے وہ معاشرے کی نگاہ میں اپنے آپ کو گرا دیتے ہیں۔

پُرخلوص گفتگو انسان کی زبان میں شیرینی، خوبصورتی اور رواداری پیدا کرتی ہے۔ حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم دستگیرؒ کا ارشاد ہے کہ خوش کلامی آپس میں خوشگواری پیدا کرتی ہے۔ اس لئے مروّت ومحبّتِ باہمی کا استحکام ہوتا ہے۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ بدکلامی وبدگوئی کارِ شیطان ہے۔ جو آپس میں حسد اور نفاق کی آگ پھیلاتی ہیں۔ خوش کلامی اور پُرخلوص گفتگو معاشرے میں سکون کا باعث ہوتی ہے اور دلوں کو فتح کر لیتی ہے۔

انسانِ کامل وہی ہے جو دلوں کو فتح کرلے اور فاتحِ زمانہ کہلائے۔ رسولِ کریمؐ نے اپنے صحابیوں کو بدکلامی سے احتراز کا درس دیا ہے۔ ایک بار حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی زبان پکڑ کر سختی سے کھینچ رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے پوچھا "یہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا "میں اپنی زبان کی مرمّت کر رہا ہوں۔ اس نے مجھے تباہ کیا ہے"

کامیاب و موثر گفتگو کا اہم ترین اصول غیر ضروری اور فالتو باتوں سے احتراز ہے۔ یوں ہی بے سروپا کی باتیں کرنا اور بے پرکیاں اڑانا آدابِ گفتگو کے لئے سمِ قاتل کے مترادف ہے۔ شیکسپئیر کہتا ہے"۔ اختصار ذہانت کی روح ہے" اس سلسلے میں پوپ نے بھی کہا ہے کہ گفتگو میں الفاظ پتیوں کی طرح ہوتے ہیں اور مطلب پھل جیسا۔ گفتگو کی طوالت بے وقوفی کا مظاہرہ کرتی ہے۔

انسان کو اپنی گفتگو میں ہمیشہ سچائی سے کام لینا چاہیئے۔ جھوٹ بہت بڑی لعنت ہے۔ اس سے احتراز ناممکن نہیں۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں" جھوٹ انسان کی ایسی ضرورت نہیں کہ جس کے بغیر گذارا نہ ہو سکے۔ جب لوگ اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو بڑے سے بڑا جھوٹ بولتے ہیں"۔

اخلاق مند انسان کو جاہلوں اور بے علموں سے کبھی گفتگو نہیں کرنی چاہیئے۔ لارڈ چسٹر فیلڈ کہتا ہے" جاہلوں اور بے علموں سے گفتگو بے لطف و بے فائدہ ہوتی ہے اچھی گفتگو ایک دعوت سے بھی زیادہ لذیذ ہوتی ہے جو بغیر علم اور تجربے سے حاصل نہیں ہوتی۔



کم لوگوں کو عطا ہے یاں کردار کا خلوص
کم لوگ پاتے ہیں یہاں گفتار کا خلوص

کامیابی

کامیابی انسان کا مقصدِ عظیم ہے۔ انسانی زندگی کامیابی سے منسوب ہوتی ہے انسان کو کامیابی اور ناکامی کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھتے رہنا چاہیئے۔ امریکی صدر ابراہیم لنکن کو لیجیئے۔ اسے پہلی بار الیکشن میں ناکامی ہوئی۔ اس کی پہلی محبوبہ کا انتقال ہوگیا۔ اس نے جس عورت سے شادی کرلی اس نے اسے عمر بھر ستایا لیکن ابراہیم لنکن نے ہمت نہیں ہاری۔ انسان کو اس کی ناکامیاں، کامیابی کا راز بتاتی ہیں۔ اسے فتح و ظفر کا سبق سکھاتی ہیں۔

انسان اپنی کامیابی اور ناکامی کو خوش قسمتی اور بدقسمتی کا نام دیتا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ شیکسپیئر کہتا ہے "اپنی خوش قسمتی اور بدقسمتی کا ذمہ دار انسان خود ہی ہوتا ہے" خوش قسمتی انسان کے اعمال و کردار کا آئینہ ہوتی ہے۔

انسان کو کامیابی یوں ہی نہیں ملتی۔ اس کے لئے اسے زندگی کی تمام تر مشکلات اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انگریزی کا نامور شاعر لانگ فیلو کہتا ہے" جو لوگ کامیاب ہوکر بلند مقام حاصل کرتے ہیں بلند مرتبہ پاتے ہیں اور نمایاں شخصیت کے حامل بن جاتے ہیں۔ انہیں یہ مقام یہ رتبہ یہ شخصیت یوں ہی نہیں ملتی۔ انہیں ان خصوصیات کو پانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کی یہ کامیابی صرف انہیں ہی نہیں بلکہ ان کے مصیبت زدہ دوستوں کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے"!

انسانی زندگی ناکامیوں، مشکلات اور الجھنوں سے پُر ہے۔ انسان کو ہر قدم پر نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن انسان کو ناکامیوں، مشکلات اور الجھنوں کا اپنے عزمِ مستحکم اور دمِ محکم سے ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ انسانی نفسیات کے عظیم مفکر

سویٹ ماڑون کا قول ہے کہ مشکلات اور الجھنوں پر فتح پاتے والا، ارتقا کی جانب رواں دواں رہتا ہے۔ ہندی ساہتیہ کے لیکھک شری مگن لال جین نے ایک جگہ لکھا ہے کہ انسان کو اپنی ناکامی سے ناامید و مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کی ناکامی اس کی اپنی ہی پیدا کردہ مشکلات اور الجھنوں کی دین ہوتی ہے۔ اسے ان مشکلات اور الجھنوں کا حل ڈھونڈ نکالنا چاہیئے۔ اس ضمن میں ہندی کے ایک اور ادیب شری نرسمہاراؤ شکل بھی لکھتے ہیں "امید پر دنیا قائم ہے۔ اگر انسان ناامیدی کا شکار ہو جائے تو انسانی سماج برباد و مسمار ہو جائے گا۔"

انسان کو اپنی ناکامی پر بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے۔ رسولِ کریمؐ نے فرمایا ہے "دنیا کی بری خصلتوں میں دو خصلتیں سب سے زیادہ بری ہیں۔ پہلی انتہائی بخالت اور دوسری انتہائی بزدلی"۔

لہٰذا کامیابی انسان کا مقصدِ عظیم ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ مقصد کے حصول کی سچی لگن انسان کو مشکلات میں ناامید و مایوس نہیں ہوتے دیتی۔ جارج ایلیٹ نے ایک جگہ لکھا ہے "وہ ناامیدی کے بھنور میں گھر کر انسان کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔" انسان کو ناکامی کا مقابلہ ہمّت اور امید افزا دل سے کرنا چاہیے۔ بقولِ شخصے "خوف انسانی زندگی کو ہلاک کرتا ہے۔ اور اس کے لئے کامیابی کا دروازہ بند کر دیتا ہے"۔ انسان کو کامیابی حاصل کرنے کے لئے سخت محنت اور صالح عمل سے کام لینا چاہیئے۔ شدّتِ محنت اور صالح عمل کی پختگی انسان کو کسی ناکامی اور اس کی تکالیف سے متاثر ہوتے نہیں رہتی۔ کسی محنت اور عمل کے بغیر کامیابی کا تصوّر "ببول کے پیڑ سے آم کی توقع" غلط کے مصداق ہے



عزم میرا مری ہمّت مرے کام آئی ہے
فتح میں نے سبھی فکروں پہ یہاں پائی ہے

علم

علم ایک طاقت ہے۔ ایک دولت ہے۔ علم تہذیب و انسانیت کا بہترین زیور ہے۔ انگریزی کی ایک کہاوت مشہور ہے کہ KNOWLEDGE IS POWER۔ بے علم انسان کی معاشرے میں کوئی وقعت و عزت نہیں ہوتی۔ جس نے علم حاصل نہیں کیا اس نے اپنی زندگی گویا بے کار ضائع کر دی۔

اسلام نے ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم کو فرض قرار دیا ہے۔ علم اخلاقِ انسانی کا راہبر ہے۔ اور دنیا کی ساری خوبیوں کا سرچشمہ بھی۔ رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ اگر علم حاصل کرنے کے لئے تمہیں چین بھی جانا پڑے تو چلے جاؤ۔ تحصیلِ علم کے لئے محنت ضروری ہے۔ غوث پاکؒ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ جو علم سیکھ کر اس پر عمل کرے وہی عالمِ حقیقی ہے۔

علم ایک دولت ہے۔ دنیا کا ہر مال ہر دولت چرائی جا سکتی ہے لیکن علم نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ علم پیغمبروں کی میراث ہے۔ اور مال فرعون و قارون کی۔ دنیوی دولت خرچ کرنے پر گھٹتی اور کم ہوتی ہے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ کے قول کے مطابق علم کی دولت خرچ کرنے سے گھٹتی نہیں بلکہ بڑھتی ہے۔

علم سیکھنا اور سکھانا بھی ایک نیکی ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے کیا خوب کہا ہے کہ دو گھڑی علم سیکھنا اور سکھانا راتوں کی عبادت کے برابر ہے۔

علم سے انسان کی ذہنی اور روحانی صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ علم جہاں ہے وہاں روشنی ہی روشنی ہے۔ اور علم جہاں نہیں ہے تاریکی ہی تاریکی ہے۔ رسولِ کریمؐ نے حدیث مبارک میں فرمایا ہے کہ علم ایک نکھرے ہوئے آسمان کی مانند ہے اور کتابیں اس کی شان بڑھانے والے چمکیلے ستارے ہیں۔

علم سے انسانی وجود کی تکمیل ہوتی ہے۔ حسنِ اخلاق بہترین نیکی ہے۔ حکیم جالینوس کہتا ہے "نیکی کیا ہے صفات یا اخلاقِ حمیدہ کا انسان میں جمع ہونا۔ ایک صاحبِ علم پانی کے بغیر بھی سیراب رہتا ہے لیکن ایک بے علم شخص پانی کے چشمہ پر رہ کر بھی پیاسا اور تشنہ رہتا ہے۔

علم کے لئے عمل نہایت ضروری ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا ہے کہ ضائع ہے وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے۔ علم و عمل میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔

علم سیکھنا، اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو سکھانا حضرت غوث پاکؒ کے مطابق انسان کی تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ حقیقی علم، عمل کے بغیر باقی نہیں رہتا۔ ایک عالم بے عمل کی بصیرت اور نورانیت مٹ جاتی ہے اور بعد ازاں وہ خود بھی ختم ہو جاتا ہے۔

تحصیلِ علم کی کوئی میعاد نہیں ہوتی۔ کوئی مدت نہیں ہوتی۔ علم بچپن سے لے کر بڑھاپے تک عمر کے کسی بھی حصے میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے حصول کے لئے محنت، سچی لگن اور نڈر پن ضروری ہے۔ سقراط سے روایت ہے کہ ہم دولت سے کتابیں تو ضرور خرید سکتے لیکن علم نہیں۔ اس ضمن میں افلاطون کا قول بھی ملاحظہ فرمائیے۔ کہتا ہے "طالبِ علم کے لئے شرم اچھی نہیں۔ ایک شرمیلا طالب علم کبھی علم حاصل نہیں کر سکتا۔

علم کی وسعت بے پایاں ہے۔ علم ایک ایسا سمندر ہے جس کی تہہ کسی نے بھی نہیں پائی۔ علم کی ان گنت شاخیں ہیں ان کی انتہا کسی کو بھی نہیں مل سکتی۔

کائنات کا سب سے بڑا عالم خدائے قدوس ہی تو ہے۔ جس کی ذاتِ ہمہ پہلو کو بھی علم کی طرح کوئی آج تک سمجھ نہیں پایا۔ البتہ مالکِ کون و مکاں کے رسولؐ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔

تاہم علم ایک دولت ہے۔ ایک طاقت ہے۔ ایک نیکی ہے۔ ایک نعمت ہے۔ علم کے بغیر انسانی وجود کی تکمیل ممکن نہیں۔ بھرتری ہری کہتا ہے" جن لوگوں نے نہ علم حاصل کیا اور نہ کوئی فن سیکھا اور نہ ہی کوئی روحانی ترقی پائی وہ صرف نام کے انسان ہیں اور ان کا وجود زمین کے لئے ایک بوجھ ہے۔

○○

عمل

عمل کے معنی کام اور کسی چیز کی پابندی سے کرنے کے ہیں۔ قرآنِ حکیم کا فرمان ہے "صرف وہی لوگ خسارے سے بچ سکتے ہیں جو ایمان لاکر نیک عمل کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے حق اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔"

عمل نیکی اور خوش اخلاقی کی بنیاد ہے۔ نیکی اور خوش اخلاقی ایمان کی معراج ہیں۔ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔ رسولِ کریمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اخلاق کی برائی انسان کو ایسے برباد کرتی ہے جیسے شہد کو سرکہ۔

عمل اور علم دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ حقیقی علم بغیر عمل کے مٹ جاتا ہے۔ اور بے عمل عالم بے نام سے ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام حنیفہؒ کا قول ہے کہ ہر علم کے ساتھ عمل بھی لازمی ہے کیوں کہ بے عمل عالم بے جان جسم کے مصداق ہے۔

عمل علم کا محافظ ہے۔ اور اس کی بقا اسی سے ہے۔ علم وعمل کو برقرار رکھنے کے لئے چند چیزوں سے پرہیز ضروری ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں "جس شخص کا علم اس کی عقل سے بڑھ جائے وہ اس کے لئے وبالِ جان بن جاتا ہے۔" حضرت داتا گنج بخشؒ کا فرمان ہے کہ تکبر علم کا کھا جاتا ہے اور غیبت عمل کو۔

عمل عالم کی زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔ ایک واعظِ بے عمل کا وعظ نافع نہیں ہوتا۔ مالکِ ارض وسما کا ارشادِ عالی ہے "تم حکم کرتے ہو اور بھول جاتے ہو اپنے آپ کو۔" علم وعمل کو جمع کرنا اصلِ کمال ہے۔ حضرت غوث پاکؒ نے کیا خوب کہا ہے "تو نے اپنی عمر برباد کردی۔ علم سیکھنے میں لیکن ملا عمل۔ اس سے تجھ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔"

عمل میں صدق دلی کو بڑا دخل ہے۔ دکھاوے کا عمل بے فائدہ، نقصان دہ اور شرمناکی

کا سبب بنتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے" جو شخص کوئی کام دنیوی دکھاوے کے لئے کرتا ہے اُسے آخرت میں کوئی جگہ نہیں"۔

بے عمل عالم کو سماج میں کوئی مقام حاصل نہیں ہوتا۔ لوگ اس کی باتوں کو سُنی ان سُنی کر دیتے ہیں۔ افلاطون نے ایک جگہ لکھا ہے" جو شخص دوسروں کو نصیحت کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے وہ اندھا ہے اور اس کے ہاتھ میں کافوری شمع ہے۔ جس سے دوسرے روشنی حاصل کر سکتے ہیں مگر وہ خود اس سے فیض نہیں پا سکتا۔" اس سلسلے میں حضرت عیسیٰؑ نے بھی فرمایا ہے کہ بے عمل عالم کی مثال ایسی ہے جیسے اندھے کے ہاتھ میں مشعل۔ لوگ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں لیکن وہ خود اس سے محروم رہتا ہے۔

تاہم عمل نیکی اور خوش اخلاقی کی بنیاد ہے۔ عمل علم کا محافظ ہے۔

۔عمل عالم کی زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔ عمل اور علم میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ورنہ بے عمل عالم کی سماج میں کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ حضرت عمر رضؓ نے کیا خوب کہا ہے کہ بے عمل کی دوستی سے احتراز کرو۔ وہ لاکھ بھلائی چاہے تمہیں اس سے برائی ہی ملتی رہے گی۔

آخر میں عظیم مصلح قوم سر سید احمد خاں کا فرمان ملاحظہ فرمائیے جو" علم و عمل کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔

لکھتے ہیں" چاند کے بغیر رات بے کار ہوتی ہے اور علم کے بغیر دین۔ اسی طرح عمل کے بغیر زندگی بھی جہنم سے کم نہیں ہوتی"۔



کب لوگ یہاں ہوتے ہیں کردار کے اونچے
اعمال ہیں سب کے کہاں گفتار کی مانند

عورت

عورت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ عورت مرد کے دل کا سکون ہے۔ روح کی راحت ہے اور ذہن کا اطمینان ہے۔

انسان کے لئے دل کا سکون، روح کی راحت اور دل کا اطمینان ایک ایسی دولت ہے کہ صرف یہ ملتے ہوئے اسے کچھ اور نہ بھی ملے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے زندگی میں سب کچھ پالیا ہے۔

عورت کی تخلیق کے بعد مردوں سے کہا گیا "جاؤ ہم نے تمہارے جوڑے کو تمہاری ہی جنس سے بنایا ہے تاکہ تمہیں اپنی اجنبیت کا احساس نہ ہو۔ ہم نے اس کے پیکر میں تمہارے لئے سکون رکھ دیا ہے۔ تمہارے رنج و غم کو دور کرنے کے لئے اسے تمہاری رفیقۂ حیات بنادیا ہے۔ اس کی رفاقت سے تمہاری پریشانیاں نہیں سی ہوجائیں گی" بھرتری ہری کہتا ہے۔ "بیٹا وہی ہے جو باپ کا خدمت گزار ہو۔ دوست وہی ہے جس پر یقین ہو اور عورت وہی ہے جو مرد کو آرام پہنچائے۔"

عورت کا مقام ایک ماں کی حیثیت سے نہایت ہی بلند و قابلِ احترام ہے۔ پروردگارِ عالم کی اس کائنات میں ماں کی تخلیق سے اچھی کوئی اور تخلیق نہیں ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ فرماتی ہیں "عورت نبی نہیں تو کسی نے نبی ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔ مگر تمام انبیاء، اولیاء و شہداء عورت ہی کی گود میں پرورش پاکر بڑے ہوئے ہیں۔"

ماں اولاد کے حق میں سایۂ رحمت ہے۔ ابوالفضل نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میری ہر تکلیف، ہر غم میں میری ماں کا تصور میرے لئے فرشتۂ رحمت بن کر آتا ہے۔ ماں ہدایت اور راستی کا سنگِ میل ہے۔ ماں زندگی کی معمار ہے۔ انتہائی سخت دل اور بدکردار انسان کو

بقولِ مولانا حالی ماں کی پُرنم آنکھوں سے، مرحوم اور باکردار بنایا جا سکتا ہے۔

معاشرے میں عورت کا ایک روپ "بیوی" بھی ہے۔ اصنافِ نازک میں بیوی کا رتبہ نہایت بلند و اعلیٰ ہے۔ رسولِ کریمؐ کا ارشاد ہے کہ کوئی مسلمان اپنی بیوی سے نفرت نہ کرے۔ جو شوہر اپنی بیوی سے اچھا سلوک رکھتا ہے وہی سب میں بہترین ہے۔ مگر ایک بیوی کا بھی نہایت ہی شریف اور با اخلاق ہونا نہایت ضروری ہے۔ ملٹن کہتا ہے "دنیا میں شریف بیوی مردوں کے لئے ایک بیش بہا نعمت ہے۔ اس سلسلے میں علامہ اقبال نے بھی ایک جگہ لکھا ہے کہ نیک سیرت عورت ایک انمول خزانہ ہے۔ حضرت عمرؓ کے مطابق نیک عورت ایمان کی سب سے بڑی قوت ہے۔

عورت کا ایک اہم روپ "بیٹی" بھی ہے۔ عورت اماں حوّا کی بیٹی ہے۔ شائد اسی لئے جانسن نے بھی عورت کو کائنات کی بیٹی کہا ہے۔ ایک نیک اور پاک دامن بیٹی نہ صرف اپنے خاندان کا نام روشن کرتی ہے بلکہ اپنے شوہر کے گھر کو جنّت بھی بناتی ہے۔ رسولِ کریمؐ کا ارشاد ہے "جب تم باہر سے کوئی چیز لے کر گھر میں داخل ہو جاؤ تو اسے اپنے بیٹوں سے پہلے بیٹیوں میں تقسیم کرو۔" رسولِ کریمؐ نے صرف بیٹیوں سے ہی نہیں بلکہ صنفِ نازک کے دیگر متعلقین یعنی ماں اور بیٹی سے بھی اظہارِ ہمدردی کا درس دیا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ عورتوں سے اچھا سلوک روا رکھتے اور اچھے طریقے سے پیش آنے کا حکم دیتے ہیں۔ کیوں کہ یہ تمہاری مائیں ہیں، بہنیں ہیں اور بیٹیاں بھی۔



عورت اگر بیٹی ہے تو خدا کی طرف سے سلام،
بیوی ہے تو شوہر کا لباس، اور اگر ماں ہے تو
اس کے قدموں تلے جنّت ہے۔

(حدیث رسولِ کریم محمد مصطفیٰؐ)

شراب نوشی

شہنشاہِ تغزل حضرت جگر مراد آبادی نے کہا تھا۔

سب کو مارا جگرؔ کے شعروں نے
اور جگرؔ کو شراب نے مارا

یہ سچ مچ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ اس شرابِ خانہ خراب نے حضرتِ جگرؔ ہی کو نہیں بلکہ شعر و ادب اور علم و ہنر کی اَن گنت عظیم شخصیتوں کو مار کھایا ہے۔

شراب نوشی ایک بدترین عادتِ خبیثہ ہے۔ اس نے عام تو عام' اعلیٰ مرتبت شاہی خاندانوں کو بھی تباہ و برباد کر کے چھوڑا۔ شراب کی ہر مذہب ہر دھرم میں شدید مذمت کی گئی ہے مذہبِ اسلام نے تو اسے حرام قرار دیا ہے۔

انسانی زندگی اس کی عادات' اس کے احساسات اس کی خواہشات اور اس کے جذبات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ انسان جس ماحول میں پرورش پاتا ہے اس کی عادات اس کے احساسات اس کی خواہشات اس کے جذبات اسی طرح کے ہو جاتے ہیں۔ ایک صالح و نیک ماحول میں پرورش پایا ہوا انسان نیک و صالح ہی ہوتا ہے۔ اور برے ماحول اور نچلے معاشرے میں پلا ہوا فرد بدکردار و بداخلاق بن جاتا ہے۔ لیکن انسانی زندگی میں کبھی کبھی ایسے موڑ بھی آتے ہیں کہ اپنی خواہشات کے پورا نہ ہونے پر ایک صالح و نیک انسان' ایک بدکردار و بداخلاق شیطان بن جاتا ہے۔ شراب نوشی خواہشات سے ایسے ہی ہارے ہوئے افراد کا مشغلہ ہے۔ انسان اپنی ناکامیوں کے بوجھ تلے دب کر پریشان ہو جاتا ہے۔ اور سکونِ ذہن و دل پانے کے لئے شراب نوشی کا شکار ہو جاتا ہے۔

شراب نوشی انسان کو ایک وقتی سکون اور عارضی سرور دیتی ہے لیکن اگر وہ نامساعد

حالات کا ہمت نہ ہارتے ہوئے مقابلہ کرے تو اپنے آپ پر قابو پا سکتا ہے۔ اور لمحاتی سکون اور وقتی سرور کی جگہ ایک مستقل سکون اور دائمی سرور پا سکتا ہے۔

شراب نوشی انسانی ماحول و معاشرے کے جسم پر ایک کوڑھ کی مانند ہے۔ لوگ جس طرح ایک کوڑھی سے نفرت کرتے ہیں اور اس کے نزدیک آنے سے کتراتے ہیں، ان کا برتاؤ ایک شرابی سے بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ ماحول و معاشرے میں ایک شرابی کی کوئی وقعت و عزت نہیں ہوتی۔

شراب نوشی آفتوں اور بلاؤں کو دعوتِ خاص دیتی ہے۔ اس سے انسانی ذہن ماؤف ہو جاتا ہے۔ دل جگر کمزور ہو جاتے ہیں۔ رگیں متاثر ہو جاتی ہیں۔ دن بہ دن نئی نئی بیماریاں آگھیرتی ہیں جو ناقابلِ علاج ہونے پر آدمی کو زندگی سے ہاتھ بھی دھونا پڑتا ہے۔ بعض اوقات اپنا ذہنی توازن کھوکر شرابی خودکشی کر لیتے ہیں۔

شراب نوشی انسانی معیشت کو تباہ و تاراج کر دیتی ہے۔ شراب نوشی صرف انفرادی نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ یہ اجتماعی نقصانات رسی کی حامل بھی ہے۔ جب ایک شرابی اپنی ساری کمائی شراب کی نذر کرے تو اس کی بیوی اور بچوں کی پرورش ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔ بیوی گھر کی پریشانیوں سے تنگ آجاتی ہے۔ بچے بے راہ رو ہو جاتے ہیں۔ اور جب ان کی آوارگی حدوں کو پار کر جاتی ہے تو اس گھر کا خدا ہی حافظ۔

آپ نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ چھٹتی نہیں ہے کم بخت منہ کو لگی ہوئی۔ لیکن یہ غلط ہے۔ اگر انسان اپنے آپ پر قابو پالے تو وہ صرف شراب نوشی ہی سے نہیں بلکہ ہر علتِ خبیثہ سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ جگر مرادآبادی ہی کو لیجئے۔ انہوں نے آخری وقتوں میں شراب نوشی سے توبہ کر لی تھی اور اپنی موت تک اسے منہ نہ لگایا تھا۔

آخر میں ترکِ شراب نوشی سے متعلق ایک ناقابلِ فراموش واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابو عبیدہ رضؓ حضرت ابو طلحہ کو شراب پلا رہے تھے کہ یکایک کسی نے آکر خبر دی کہ شراب حرام ہوگئی ہے۔ حضرت ابو طلحہ رضؓ نے یہ سنتے ہی حضرت انس رضؓ سے کہا "انس رضؓ اٹھو۔ اور شراب کے تمام مٹکے توڑ ڈالو" دیکھئے صرف ایک شخص کی اطلاع پر بنا کسی تصدیق کے شراب کی حرمت کا یقین کر لینا صرف حضرت ابو طلحہ رضؓ ہی کا حصہ ہے۔

شراب نوشی بے شک ترک کی جا سکتی ہے اور اسطرح معاشرے کو پاک و صاف رکھا جا سکتا ہے

○○

حرفِ آخر

جناب اطہر افسر صاحب
موظف پروگرام، پروڈیوسر آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد

شاغل ادیب کے نثری مضامین

زیرِ نظر مجموعہ "حروفِ تابندہ" شاغل ادیب صاحب کے ان مضامین کا ہے جو "حرفِ تابندہ" پروگرام کے تحت آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے نشر ہو چکے ہیں۔ نیرنگ پروگرام کے سننے والوں کو یہ مضامین کافی لطف دے چکے ہیں۔ بلکہ ہر بار بے شمار لوگوں نے نصیحتوں کے اس تحفے کو بڑی چاہت سے قبول کیا ہے۔

عام طور پر نصیحت کی باتیں نہ تو قبول کی جاتی ہیں اور نہ ہی سنی جاتی ہیں۔ مگر شاغل ادیب صاحب کے "حروفِ تابندہ" ہر بار بے حد دلچسپی سے سنے گئے اور ان کی پسندیدگی کے بے شمار خطوط بھی ملے ہیں۔

جن موضوعات کے تحت "حروفِ تابندہ" کے یہ مضامین لکھے گئے ہیں اور جن موضوعات پر شاغل ادیب صاحب نے قلم اٹھایا ہے وہ انوکھے اور وقت کی چیزیں ہیں مثلاً ہم سائیگی، بھائی چارگی، قوم، قومی یکجہتی، دوستی اور مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا وغیرہ۔ سب کی سب ضرورت کی چیزیں ہیں۔

شاغل ادیب صاحب نے اس مجموعہ میں بعض ایسے عنوانات بھی پیش کئے ہیں جن کی جانب بہت کم لوگوں نے توجہ کی ہے۔ جیسے گفتگو، علم، عمل، کامیابی اور خاموشی وغیرہ۔

ڈاکٹر عبدالحق فرماتے ہیں "سب سے بڑا ادیب وہ ہے جو ناسمجھوں میں سمجھ پیدا کرے اور ایسا ادب دے جس سے زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔"

اس لحاظ سے شاغل ادیب بہت بڑے اور کامیاب ادیب ہیں۔ ان کی اس کتاب کو ہر گھر میں پہنچنا چاہیئے اور ہر پڑھنے والے کو پڑھنا چاہیئے کہ آج ایسے ہی ادب پاروں کی سخت ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ وہ شاغل ادیب کو ان کی کاوشوں کا عمدہ ثمر دے۔

جناب عاتق شاہ صاحب
موظف لکچرار سردار پٹیل کالج، سکندرآباد

حروفِ تابندہ، روح کی آواز

شاغل ادیب ایک عمدہ شاعر ہی نہیں بلکہ ایک عمدہ نثر نگار بھی ہیں۔ "حروفِ تابندہ" کی رواں دواں نثر ان کے دل کی آواز ہی نہیں بلکہ ان کی روح کی بھی آواز ہے۔ شاغل ادیب نے آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے سامعین سے اپنی نثر کی خوب داد وصول کی ہے۔ "حروفِ تابندہ" کے مضامین سے عوام اور ہماری نئی نسل ان تہذیبی کارناموں اور بزرگوں کی اس دین سے واقف ہوسکے گی جو ہمارا ورثہ ہے۔

ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ثانی، ایم۔اے

شاغل ادیب کے "حروفِ تابندہ"

جناب شاغل ادیب صاحب جامع الحیثیات شخصیت کے مالک ہیں اور ایک مخلص آدمی بھی۔ آپ ایک قادرالکلام شاعر ہی نہیں بلکہ ایک مایہ ناز ادیب بھی ہیں۔ آپ کے دو شعری مجموعے "ذکرِ اعظم" اور "دربارِ کرم" چھپ کر بے حد مقبول ہوچکے ہیں۔ اور اب ان کی نثری تخلیق "حروفِ تابندہ" منظرِ عام پر آرہی ہے۔

جناب شاغل ادیب کے حروفِ تابندہ میں شامل تمام مضامین سادگی، رنگینی، چاشنی اور روانی لئے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب ایک گلدستہ ہے جس میں ہر قسم کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ تمام مضامین پر اصلاحی پہلو غالب ہے۔ شاغل ادیب نے معاشرے کی کمزوریوں اور اسکی دکھتی رگوں کی نشاندہی کی ہے۔ "حروفِ تابندہ" کے تمام مضامین شاغل ادیب کی گہری فکر، ان کے وسیع مطالعہ اور زندگی کے تجربات کی غمازی کرتے ہیں۔ ان مضامین میں قرآنی آیات، احادیثِ مقدسہ اور مایہ ناز ادیبوں، شاعروں اور مفکروں کے حوالہ جات نے انہیں نہایت موثر بنادیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک مصنف کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

○○